سوال

(08)آسمانی دروازے

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

قرآن کریم میں ہے کہ آسمان کے دروازے ہیں ۔ سورۃ الاعراف میں ہے کہ کافروں کےلیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور سورۃ النباء میں ہے کہ قیامت والے دن آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے معلوم ہوا کہ آسمان کے دروازے ہیں اسی طرح معراج والی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب پہلے آسمان پر پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا گیا آپ کے ساتھ دوسرے کون ہیں جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہیں پھر آسمان کے محافظ نے سوال کیا ان کو بلایا گیا ہے جبریل علیہ السلام نے جواب دیا جی تو آسمان دنیا کا دروازہ کھولا گیا پھر آپ ﷺ اوپر کی طرف چڑھے اور اسی طرح تمام آسمانوں پر اس طرح کے سوالات وجوابات ہوئے اور جوابات ملنے کے بعد ہی دروازہ کھلتا گیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اور جبریل علیہ السلام کےلیے بھی اجازت کے بعد ہی آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور بغیر اجازت کے نہیں کھل سکتے تھے توپھر امریکن خلابازوں کےلیے آسمانوں کے دروازے کس طرح کھل گئے کہ وہ بغیر کسی روک ٹوک کے آسمانوں سے ہوتے ہوئے سیدھا جا کر چاند پر اترے اور اس وقت انجاروں اور میڈیا کی چاند کے متعلق باتوں کو سن کر جب حدیث کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ یا الٰہی یہ کیا ہے واقعی چاند کو فتح کیا گیا ہے ؟ اور ادھر قرآن میں یہ فرمایا گیا ہے کہ سورج اور چاند چلتے ہیں اب یہ بتائیں کہ اگر چاند چلتا ہے توپھر کس طرح امریکن خلاباز وہاں پر پہنچے کیونکہ جتنا راکٹ چلے گا اس سے کہیں زیادہ تیز چاند چلتا رہے گا پھر کس طرح چاند کو فتح کیا گیا ہے یہاں پر اسلام اور سائنس کا زبردست ٹکراو ہے اس کے متعلق وضاحت کے ساتھ جواب دیا جائے تاکہ حیرانگی دور ہوجائے ؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

سوال نمبر ۲ کے جواب میں عرض رکھا کہ دروازوں سے مراد شرعی آسمان کے دروازے ہیں نہ کہ یہ آسمان یا عالم بالا کے وہ خطہ جو مشاہدہ میں آتے ہیں کیونکہ معراج والی روایت میں جو بیان ہے وہ اس عالم محسوسات سے ماوراء اور غیب کے علم سے تعلق رکھنے والا ہے جس کا مشاہدات اور محسوسات سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے ۔ ہمارا مکمل ایمان ہے کہ وہ دروازے بھی تھے اور کھولے بھی گئے تھے اس کے محافظ بھی تھے لیکن اس حقیقت کا ہمیں پوری طرح ادراک نہیں ہے ۔ اس کی پوری حقیقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی معلوم ہوگی ہمارا کام اس حقیقت پر بغیر چوں چراں ایمان لانا ہے ۔

بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام کھڑا ہے جو آپ کو سلام کہہ رہا ہے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا : ''وعلیہ السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ '' آپ (یعنی نبی کریم ﷺ) وہ دیکھتے ہو جو میں نہیں دیکھ سکتی ۔ تو دیکھو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پاس کھڑی ہیں لیکن حضرت جبریل علیہ السلام کو نہیں دیکھ سکتیں لیکن آپ ﷺ ان کو دیکھ رہے تھے اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایمان تھا ۔

اسی طرح نبی ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو صرف دو مرتبہ اصلی حالت میں دیکھا جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا کہ آسمان کے پورے افق پر گھیرا ہوا تھا (کرسی پر) تو اتنی بڑی جسامت رکھنے کے باوجود وہ ہستیاں ہمیں کیوں نظر نہیں آتیں؟ کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان کے وجود کے ہی منکر ہوجائیں؟ کیا یہ کوئی عقلمندی ہوگی یا اس کو حد درجہ کی جہالت اور بیوقوفی کہا جائے؟ دراصل بات یہ ہے کہ اللہ کی مخلوقات میں بیشمار ایسی چیزیں ہیں جن کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ ایسا بھی کوئی وقت تھا جب بیکٹیریا (Gersomes) کے بارے میں لوگوں کو کچھ پتا نہیں تھا لیکن طاقتور خوردبین کے ذریعے اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

حالانکہ ایک صدی قبل ان کے متعلق کوئی بات بھی کرتا تو کوئی ماننے کے لیے تیار بھی نہ ہوتا لیکن کیا ان کا نہ ماننا علمی دنیا میں کوئی وقعت رکھتا ہے؟ ہر گز نہیں! لیکن آج اس کے مشاہدہ کے ذرائع فراہم ہوچکے ہیں اس لیے اگر کوئی انکار کرے گا تو اس پر نہ صرف جگ ہنسائی ہوگی بلکہ ہر کوئی اسکی جہالت اور بے علمی پر افسوس کا اظہار کرے گا۔

بعینہ اس طرح فرشتے اور بہت ساری دوسری چیزیں جن کا تعلق غیب سے ہے موجود ہیں لیکن فی الحال ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ کیونکہ اس وقت ہم سے ایمان بالغیب مطلوب ہے اور دوسرا کوئی ایسا ذریعہ بھی موجود نہیں ہے کہ جس کے سبب اس کا مشاہدہ کیا جاسکے۔ لیکن قیامت کے دن یہ تمام پردے چاک ہوجائیں گے اور حائل تمام رکاوٹیں دور ہوجائیں گی۔ پھر بہت ساری غیب کی چیزیں مشاہدہ میں آجائیں گی۔

حتیٰ کہ خود اللہ تبارک وتعالی اپنا دیدار نصیب کریں گے۔ اس لیے کوئی بھی عقلمند کسی چیز کا صرف اس لیے انکار نہیں کرسکتا کہ وہ چیز اس کو نظر نہیں آتی۔ یہ تو ہمارے روزمرہ کا دستور ہے کہ اگر کوئی قابل اعتماد آدمی خبر دیتا ہے تو ہم اس پر اعتبار کرلیتے ہیں صرف اس لیے کہ خبر دینے والا قابل اعتماد ہے۔

اسی طرح اگر ان حقائق کے بارے میں ہمیں اصدق القائلین جناب محمد ﷺ کوئی خبر دیں تو ہمیں بغیر کسی چوں چراں اس پر کامل یقین ایمان رکھنا ہے۔ کیا آپ ﷺ کی باتوں پر ہمارا اتنا پختہ یقین نہیں ہے جتنا ایک عام آدمی کی بات پر ہوتا ہے؟ اگر اس طرح ہے تو پھر ہمارے اندر ایمان ہی نہ رہا۔ اسی طرح بہشت (جنت) وغیرہ جس کا مومن بندوں کے ساتھ وعدہ ہے جو کہ آسمان پر ہے جس کا ہم مشاہدہ بھی نہیں کرسکتے:

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات: ۲۲)

''تمھاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔''

تو کیا اس کا مطلب کہ ہوگا کہ ہمارا اتنا اوپر جانے کے باوجود بھی (یعنی راکٹوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے) وہ ہمیں نظر نہیں آتے لہذا وہ ہیں ہی نہیں؟ کیا ایک مومن یہ عقیدہ رکھ سکتا ہے؟ دراصل بات یہ ہے کہ ساری چیزیں موجود ہیں لیکن ہمارے امتحان کی وجہ سے ان کو پردہ میں رکھا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں؟ پھر قیامت کے دن اس پردے کو ہٹایا جائے گا جیسے قرآن میں ہے:

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ (التکویر: ۱۱)

''اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی۔''

یہاں مراد اس پردہ کے ہٹانے کا ہے جو تمام چیزوں کے سامنے حائل ہے۔ لیکن جیسے ہی وہ ہٹے گا تو پوری حقیقت بالکلیہ آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور سورۃ نباء کا جو ترجمہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے یہ ترجمہ غلط ہے اصل آیت کریمہ اس طرح ہے:

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا (النبا: ۱۹)

''کہ آسمان کھولا جائے گا پس وہ ہوجائے گا دروازے دروازے۔''

یہ بعینہ وہی بات جس کو ہم نے پیچھے ذکر کیا یعنی عالم بالا جو ہماری نظروں سے مستور ہے وہ کھولا جائے گا اور غیبی پردے ہٹا دیئے جائیں گے پھر اس کے دروازے ظاہر ہو جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ آسمان میں بھی دروازے ہیں جو ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔

سورۃ النباء کی یہ آیت ان دروازوں کے متعلق بالکلیہ فیصلہ کن بات بتاتی ہے اگر اس پر غور کیا جاتا یا اس کے مطلب کی تہ تک پہنچنے کی سعی کی جاتی تو اس طرح کے اعتراضات یا شبہات پیش ہی نہ آتے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے بعد آتے ہیں چاند پر پہنچنے والی بات کی طرف۔ اگر اندھی تقلید مانع نہ آئے اور ہر تحقیق کو قبول کرنے کا سبب صرف اسی کا نیا ہونا نہ ہو تو معاملہ بالکل آسان ہے۔ جتنا بھی غور سے قرآن کریم کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ قرآن حکیم اس کائنات اور مشاہدہ میں آنے والی موجودات کی ہر چیز پر پہنچنے کا قائل ہے۔ چند آیات ملاحظہ کریں۔

أَلَم تَرَوا أَنَّ للَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي لسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي لأَرضِ وَأَسبَغَ عَلَيكُم نِعَمَهُ ظَٰهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان: ۲۰)

''کیا تم نے نہیں دیکھا اللہ تعالی نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تمھیں اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور دیے رکھی ہیں۔''

للَّهُ لَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ لبَحرَ لِتَجرِيَ لفُلكُ فِيهِ بِأَمرِهِ وَلِتَبتَغُوا مِن فَضلِهِ وَلَعَلَّكُم تَشكُرُونَ ۱۲ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي لسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي لأَرضِ جَمِيعًا مِّنهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَومٍ يَتَفَكَّرُونَ (الجاثیہ: ۱۳/۱۲)

''اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے دریا کو مطیع بنا دیا تاکہ تم اس میں چل پھر کر اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور ممکن ہے کہ تم شکر بجالاؤ اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے تابع کر دی جو اس میں غور کریں وہ یقینا بہت سے دلائل پالیں گے۔''

ان دونوں آیات کریمہ میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر نیچے ہر چیز کو انسان کے تابع بنایا ہے۔ (مَّا فِي لسَّمَٰوَٰتِ) میں چاند اور دوسرے سیارے بھی آجاتے ہیں۔ لہٰذا آج اگر انسان چاند پر پہنچا ہے تو پہنچ سکتا ہے اس میں کون سی تعجب والی بات ہے یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور برحق نبی ہونے کی ایک ٹھوس دلیل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی وہ خبر دی جس کے متعلق اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن چودھویں صدی کے اختتام پر وہ سچ ثابت ہوئی ہے یہ آپ کی صداقت کی کتنی بڑی دلیل ہے اس میں اسلام اور سائنس کی کون سی ٹکر ہے اس کے برعکس خود سائنس نے عملی طرح اس وحی کی بتائی ہوئی بات کی چودہ سو سال کے بعد تصدیق کی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر چڑھ جانے سے مجھے یہ سبق ملا ہے کہ اوپر کے عالم یا فضائے بسیط یا کائنات کی دوسری مشاہدہ میں آنے والی چیزیں انسانی پہنچ پر ہیں۔ انسان ان تک پہنچ سکتا ہے۔

بہر حال کائنات میں جو بھی چیز مشاہدہ میں آنے والی ہے چاہے اوپر ہو یا نیچے، وہاں انسانی رسائی ممکن ہے قرآن اس حقیقت کو مانتا ہے۔ یہاں یہ الگ بات ہے۔ کہ ان چیزوں میں سے عملاً کن چیزوں پر انسان واقعی پہنچے گا کیونکہ یہ تو مستقبل کی بات ہے جس کا علم رب البرکات کے علاوہ کسی کو بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر کہیں بھی پہنچا تو یہ قرآن وحدیث کی بتائی ہوئی حقیقت کے متصادم نہیں ہوگا۔

بلکہ خود اس کا مؤید اور صداقت کا قائل ہوگا۔ شرعی آسمان کا الگ ہونا اور چاند و سورج کی گردش کے مداروں کا الگ ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ مجھ سے قبل ۹ نویں صدی

کے زبردست عالم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ نازکتاب ''فتح الباری شرح الصحیح البخاری ''میں فرماتے ہیں :

''والحق ان الشمس فی الفلک الرابع والسموات للسبع عن اہل الشرع غیر الافلاک انتہی '' (فتح الباری : ج٦ ص٢٥٩)

''یعنی حق بات یہ ہے کہ سورج چوتھے فلک میں ہے اور سات آسمان شریعت والوں کے ہاں افلاک کے علاوہ دوسرے ہیں۔''

یعنی فلک دوسری چیز ہے اور آسمان شرعی دوسری چیز۔ اور فلک کہا جاتا ہے اس کھلی فضا میں کسی سیارے یا ستارے کی گردش کی حد یا دائرہ یا مدار کو باقی آسمان شرعی دوسری چیز ہے۔ جس کے متعلق سیر حاصل بحث دوسرے سوال کے جواب اور اس سوال کے جواب میں عرض رکھی کہ انسان کی پہنچ آسمان شرعی پر نا ممکن ہے نہ کہ ان افلاک یہ افلاک تو انسان کی زد میں ہیں ان تک انسانی رسائی ممکن ہے۔

قرآن کریم نے بھی ان کی گردش یا پھرنے کو فلک میں فرمایا ہے نہ کہ آسمان میں جس طرح سورۃ یٰس اور سورۃ الانبیاء کے اندر یہ الفاظ ہیں :

كُلٌّ فِى فَلَكٍ يَسْبَحُونَ

''یعنی وہ سارے کے سارے اپنے اپنے فلک یا دائرے میں گھوم رہے ہیں۔'' اور انسان کی پہنچ آسمان شرعی پر محال ہے کیوں کہ یہ غیب کے علم سے ہے اور پیچھے جو فتح الباری کی عبارت نقل کی اس میں بھی یہ صراحت ہے کہ آسمان شرعی اور فلک دو الگ چیزیں ہیں دونوں کو خلط ملط کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

باقی یہ سوال رہے گا کہ قرآن کریم میں ہے کہ عالم بالا میں ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ شیطان ملا الاعلی کی گفتگو نہیں سنتے۔ اور اگر کوئی شیطان اس گفتگو کو سننے کی کوشش بھی کرتا ہے تو اس پر دھکتا ہوا انگارہ پھینکا جاتا ہے تو پھر جب اوپر شیطان بھی نہیں پہنچ سکتا تو انسان کس طرح پہنچ سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی درحقیقت شرعی آسمان کو محسوس اور مشاہدہ میں آنے والے آسمان یا عالم بالا کو خلط ملط کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ، یعنی وہ شیاطین ملا الاعلی کی باتوں کو کان لگا کر سننے کی کوشش کرتے ہیں اور ملا الاعلی کی آسمان میں ہیں نہ کہ اس کلی فضا میں چونکہ ابلیس فرشتوں کے ساتھ کافی عرصہ رہا تھا پھر اللہ کے حکم کی نافرمانی کی وجہ سے اس کو وہاں سے نکالا گیا اس لیے اس کی اولاد بھی ان فرشتوں تک پہنچنے اور بات سننے کی ناکام کوشش کرتی ہے اور چونکہ شیطان جنوں میں ہیں انسان کے مقابلہ ان کو زیادہ اختیار حاصل ہے اور اللہ کی طرف سے اختیار چلانے کی قدرت حاصل ہے۔

مثلاً وہ شکلیں بدل سکتے ہیں۔ دور سے وسوسہ ڈال سکتے ہیں اور حدیث میں آتا ہے شیطان انسان کے خون کے اندر چلتا ہے اسی طرح کئی دوسری باتیں ہیں لہذا شیطان جو کہ اصل میں وہاں کا رہائش پذیر تھا اس لیے وہاں تک پہنچنا اور وہاں کی گفتگو سننا اور اس کے اور اس کی اولاد کے لیے کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا۔ البتہ اللہ تعالی نے اس کی حفاظت کا انتظام کیا ہے کہ جب بھی کوئی وہاں پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو وہاں سے اس پر دھکتا ہوا انگارہ پھینکا جاتا ہے اور اتنی قدرت ان کو اس وجہ سے ملی ہوئی ہے کہ وہ انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے دن رات کوشاں ہوتے ہیں اور انسان کے امتحان کے لیے یہ (اجازت) ان کو قیامت کے دن تک ملی ہوئی ہے اس لیے وہ ملا الاعلی تک پہنچ کر ایک آدھی بات سن کر پھر اس میں کئی جھوٹ ملا کر اپنے دھوکے باز نجومیوں کے کان میں ڈالتے ہیں جو خلق خدا کو ہر وقت گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ بس اس حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو سوال حل ہو جائے گا۔

باقی رہی یہ بات کہ چاند چلتا رہتا ہے پھر راکٹ وہاں پر کیسے پہنچا؟ تو یہ سوال شاید کچھ غور فکر کئے بغیر رکھا گیا ہے۔ چاند برابر چل رہا ہے لیکن اس کی چال چلن اللہ تعالی کی طرف سے مقرر ہے اس رفتار پر چلتا ہے اس طرح نہیں کہ کوئی چیز اگر اس کے پیچھے سے آتی ہے تو وہ دوڑ لگا کر تیز بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ پیچھے والا اس تک نہ پہنچ سکے۔ چاند کا معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کی رفتار رب کریم عزوجل کی طرف سے مقرر کی ہوئی ہے لہذا وہ اپنی رفتار میں ہی چلتا ہے چاہے اس کے پیچھے کوئی آئے یا نہ آئے۔ اس بات کو سمجھنے کے بعد اب دیکھیں کہ ایک جیپ حیدآباد سے تقریباً صبح ۸ بجے نکلتی ہے جو آدھے گھنٹے میں خیبر پہنچتی ہے اور خیبر حیدرآباد سے ٤ میل دور ہے اس کے بعد ساڑھے ۸ بجے حیدرآباد سے ایک تیز رفتار کار نکلتی ہے جس کی رفتار اس جیپ سے دگنی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا جس جگہ ۹ بجے وہ جیپ پہنچے گی وہاں پر بعینہ اسی وقت ساڑھے ۸ بجے نکلی ہوئی کار بھی آکر پہنچے گی۔ حالانکہ جیپ بھی چلتی رہی اور کار بھی اس کے پیچھے چلتی رہی لیکن چونکہ کار کی رفتار جیپ کی رفتار سے دگنی تھی۔ یہ تو ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور واضح بات ہے معمولی سمجھ والا بھی اس کو سمجھ سکتا ہے بس اس طرح چاند کی رفتار بھی معلوم ہے پھر اگر انسان کوئی ایسی سواری ایجاد کر دے جس کی رفتار چاند سے زیادہ تیز ہو تو وہ چاند کو پہنچ سکتی ہے۔

تیز سے تیز سواریاں آج ہر روز مشاہدہ میں آرہی ہیں۔ راکٹ کو توچھوڑو اس کی رفتار بہت تیز ہے لیکن آج کل کے ہوائی جہاز جو ایک گھنٹہ کے اندر ہی ہزار میل سے بھی زیادہ کا فاصلہ طے کرتے ہیں تو اس سے اندازہ لگائیں کہ اللہ نے انسان کو کتنی قدرت عطا فرمائی ہے اور یہ سب کچھ اس ارشاد کا ظہور ہے جو ابونا آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت رب تعالی نے فرشتوں کو فرمایا تھا:

إِنِّيٓ أَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُونَ (البقرة: ۳۰)

’’بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔‘‘

پھر جب اللہ تعالی نے انسان کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے تو اس میں تعجب او حیرانگی کی کیا بات ہے کہ انسان ایسی تیز رفتار سواری ایجاد کردے جو چاند تک پہنچ جائے۔

گزشتہ اوراق میں یہ آیت بھی گزر چکی ہے جس میں یہ حقیقت بیان ہے کہ عالم بالا اور عالم ارضی کی ہر چیز جو مشاہدہ میں آئے وہ انسان کے تابع بنائی گئی ہے یعنی چاند وغیرہ پر انسانی رسائی ممکن ہے (قرآن کریم کے مطابق) پھر خواہ مخواہ انکار کرکے جگ ہنسائی کا کیو موقع دیا جائے۔ بلکہ یہ تو خود قرآن اور حضور اکرم ﷺ کی صداقت پر بڑی دلیل ہے۔

باقی یہ بات کہ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالی جب چاہے اوپر سے آسمان کا ٹکڑا عذاب کی خاطر گرادے تو اس کو سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے، کیونکہ ہمارے اوپر بے شمار سیارے اور تارے وغیرہ ہیں جن میں کچھ ستارے زمین سے بھی بڑے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی چیزیں زمین کے اوپر چھت کا کام دیتی ہیں پھر ان سے کوئی ٹکڑا آکر زمین پر گرے تو وہ بھی آسمان سے ہی آیا یعنی عالم بالا یا اوپر کی دنیا سے اور ایسے گرے ہوئے ٹکڑے دنیا کے مختلف ممالک میں مشاہدہ میں آئے ہیں۔

اور دنیا کی مختلف جگہوں پر ایسے ٹکڑے گرے تھے اور زور سے گرنے کی وجہ سے زمین میں کافی نیچے چلے گئے اور وزن کے اعتبار سے کئی ٹن تھے اس لیے اس بات میں کوئی استبعاد نہیں ہے اوپر یہ بھی ذکر کیا کہ لغت میں بادلوں کو بھی سماء کہا جاتا ہے تو اس میں کون سی قباحت کی بات ہے؟ کہ ان بڑے بڑے سیاروں کو بھی سماء کہا جائے بلکہ یہ عین لغت کے مطابق ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ راشدیہ

صفحہ نمبر 77

محدث فتویٰ